امام غزالی: معلمِ اَخلاق ومحیِ علوم

ڈاکٹر قاسم صافی

اسلامی تہذیب اور فکر و فلسفے میں امام غزالی کسی تعارف کے محتاج نہیں۔ اُن کی علمی مساعی اور مربیانہ جدوجہد کثیر جہتی ہے۔ صدیوں دنیا افکارِ غزالی سے مستفید ہوتی رہی۔ روحانی انقلاب کے دوران بظاہر، وہ اپنی مشکلات کا حل سوچتے تھے مگر درحقیقت مسلمان فکر کی حدوں کو وسعت بخش رہے تھے۔ اُن کے روحانی انقلاب کو ''تجدیدی حرکت'' کا نام دیا جاسکتا ہے۔ بڑی شخصیات کا مقام و مرتبہ ان کی تجدیدی کوششوں کی بنا پر ہی متعین کیا جاتا ہے۔ غزالی اس اعتبار سے اپنے عہد کے مجدد و محیِ علوم نظر آتے ہیں۔ جس طرح اقبال کو تشکیل جدید الٰہیات اسلامیہ لکھنا پڑی، غزالی نے بھی مقاصد الفلاسفہ اور تہافۃ الفلاسفہ تصنیف کیں۔ غزالی کے سلسلۂ تصنیف و تالیف کی ایک ایک کڑی فکر و معنی کے نئے جہان دکھاتی ہے احیاء علوم الدین اُن کے تمام افکار و تجربات کا نچوڑ ہے۔ غزالی کی اس حیثیت اور مقام کے پیش نظر مسلم تعلیمی دنیا میں اُن کے وسیع تعارف کی ضرورت ہے اور یونی ورسٹیوں کی سطح پر اس کام کو انجام دیا جاسکتا ہے۔

ما جامۂ نمازی بسر خم کردیم
و ز خاک خرابات تیمّم کردیم
شاید کہ در این میکدہ ھا دریابیم
آن عمر کہ در مدرسہ ھا گم کردیم

پانچویں صدی ہجری میں علم و فضل اور فکر و دانش کے آسمان پر ایک ایسے شخص کا نام روشن ستارے کی طرح چمکتا دکھائی دیتا ہے جس نے اپنے افکار سے مختلف میدانوں میں ایک تحرک پیدا کیا۔ وہ نہ صرف فلسفہ اور حکمت کے نامور استاد ہیں بلکہ تعلیم اخلاق میں بھی اُن کا کوئی ثانی نہیں۔ انھوں نے اپنے اعلیٰ افکار سے اپنے عہد کی معاشرتی سطح پر بھی ایک حرکت پیدا کی۔ یہ محی الدین ابو حامد محمد الغزالی ہیں۔ سرزمینِ ایران میں پیدا ہوئے اور اسلامی تاریخ میں ایک بہت بڑا نام پایا۔ کون ہے جو غزالی کے اوصاف گنوا سکے اور ان کے علم و فضل اور مقام و مرتبہ پر رائے زنی کرسکے۔

خفتگاں را خبر از زمزمۂ مرغِ سحر
حیوان را خبر از عالم انسانی نیست

جب بھی کوئی آدمی اسلام اور اسلامی ثقافت وفلسفہ کا مطالعہ کرنا چاہے تو اس کے لیے ناگزیر ہے کہ وہ دنیاے اسلام کی اس سربرآوردہ شخصیت کے بارے میں بھی معلومات حاصل کرے۔ آٹھ نو سو سال سے دنیا غزالی کے افکار سے مستفید ہو رہی ہے۔ ان کی کتاب احیاء علوم الدین واقعی علومِ دین کو زندگی بخشتی ہے۔

فارابی، بوعلی سینا اور ابوریحان البیرونی علمی وفکری دنیا پر پانچ چھ سو سال تک حکومت کرتے رہے اور ان کی کتابیں یورپ کے علمی اداروں اور یونی ورسٹیوں میں پڑھائی جاتی رہی ہیں جبکہ غزالی تقریباً نو سو سال سے مشرقی تصوف پر اپنا سکہ جمائے ہوئے ہیں۔

افکارِ غزالی کی اشاعت وتوسیع کے لیے ان کے شایانِ شان اہتمام کرنا چاہیے۔ پاکستان کے علمی اداروں اور یونی ورسٹیوں کو جو وافر سہولتیں حاصل ہیں ان کے پیشِ نظر تو ''غزالی کا سال'' منانے سے بھی اس کا آغاز کیا جاسکتا ہے۔ اس سال میں غزالی پر خاص تحقیقات ہوں اور علمی ادارے ان کی یاد میں علمی مجالس منعقد کرائیں۔

ان الزامات سے قطع نظر جو غزالی پر لگائے جاتے ہیں، غزالی روحانی تحریک کا ایک مؤثر عنصر ہیں اور اسلامی فلسفہ کی تاریخ میں ان کا بہت بڑا حصہ ہے۔ ہستی کی شناخت میں ان کے افکار اور خدمات قابل توجہ ہیں۔ جب غزالی روحانی انقلاب کے دوران اپنی مشکلات کا حل سوچتے تھے تو گویا وہ مسلمانوں کی مشکلات کا حل سوچ رہے تھے۔

اسلامی زندگی اور دینی علوم میں غزالی کے روحانی انقلاب کو ہم ''تجدیدی حرکت'' کا نام دے سکتے ہیں، کیونکہ اس کے ذریعے انھوں نے نہ صرف اپنی جان کو اضطراب سے نجات دلائی بلکہ دینی اور عصری مباحث ومسائل میں بھی نئی روح پھونک دی۔ انھوں نے آواز بلند کی کہ الٰہیات میں کلام وتصوف کو دینی بنیادوں پر استوار ہونا چاہیے اور انھیں دینی اصول اور تعلیمات کے دوش بدوش چلنا چاہیے۔

امام غزالی نے نہ صرف ایران بلکہ دنیا کے سیاسی افکار میں ایک تہلکہ مچا دیا۔ دنیا کے بڑے بڑے فلاسفر مکڈونلڈ، ھنری لاؤسٹ، اوبرمن، منٹگمری واٹ، عبدالجلیل، جولیس اوبرمن، ونسنگ، بویشیر اور مارگریٹ اسمتھ وغیرہ نے غزالی کی مایۂ ناز حیثیت کا ذکر کیا ہے۔

غزالی پانچویں صدی ہجری کی وہ حیرت انگیز اور پہلو دار شخصیت ہیں جو خلیفۂ وقت اور سلطان کے پہلو میں بھی تنہائی محسوس کرتے ہیں۔ اسلامی دنیا کا ایک عظیم روشن خیال مفکر ہونے کی حیثیت سے غزالی اپنی ایک کتاب میں خلیفۂ وقت مستظہر باللہ اور ہر اس شخص کو جس کے ہاتھ میں عنانِ حکومت ہے، خلافت اور

منصب کے فرائض یاد دلاتے ہیں۔

عقائد پر وہ اپنی سب سے اہم معروف کتاب اقتصاد میں اختیارات اور ان کی شرعی حیثیت اور اصل وغایت کے بارے میں بحث کرتے ہیں۔ وہ اپنے عہد کے علماے دین کو حکومت کے اُمور پر شرعی نگرانی کا پابند قرار دیتے ہیں اور اس سلسلے میں حکومت اور علما دونوں کو تنبیہ کرتے ہیں۔

بہرحال غزالی کی زبان جو دماغی افکار سے غذا حاصل کرتی تھی مکمل طور پر دل سے ہم آہنگ تھی۔ بہت کم ایسا ہوا کہ کوئی عالم یا طالب علم ان کے فکری حلقے اور الفاظ کی تاثیر سے خالی رہا ہو یا ان کی قوتِ بیان اور ثقہ دلائل کے سامنے ٹھہر سکا ہو۔

سب جانتے ہیں کہ شخصیات کی اہمیت اور قدر و قیمت ان کی تجدیدی کوششوں کی بنیاد پر ہوتی ہے۔ غزالی، عین القضات اور اقبال وغیرہ اپنے اپنے ادوار میں حقیقتاً اپنی اجتماعی حالت سے نالاں تھے۔ ان کا یہ تاثر ان کی کتابوں میں عیاں ہے۔ اپنے اپنے زمانے میں یہ سب لوگ ''محی'' تھے۔ ان سب نے دینی افکار کو ازسرِنو زندہ کیا۔ اگر قرآن کی صحیح اور زندہ تفسیر کی جائے تو یہ سب سے زیادہ زندگی بخش ہے۔ بالفرض بظاہر ایسا نہیں ہوسکتا تو یہ اُسی جمود کی علامت ہے جس کے ہاتھوں ہر دور میں ''محی'' نالاں رہے ہیں۔

اقبال مسلمانوں کو خود سے اور مغرب کو وحی سے بے خبر سمجھتے ہیں اور اسلامی معارف کو مغربی معارف سے زیادہ وزنی اور وسیع خیال کرتے ہیں۔ لیکن انھیں اپنے عہد میں جو جمود نظر آیا اس پر انھیں اسلام میں دینی افکار کا احیا *The Reconstruction of Religious Thought in Islam* لکھنی پڑی۔ وہ اسلامی تحریکوں کی ہر جگہ حمایت کرتے نظر آتے ہیں۔

مولاے روم جب دوسروں کے افکار کو بیدار کرنے اور اُن کی ہدایت کے لیے ہزاروں مطالب اور مثالوں کو نظم کی تنگنائیوں میں لاتے ہیں تو اُن کا کام وہاں بھی وسعت پذیر نظر آتا ہے۔ ہم سب اُن سے متاثر ہیں۔ اُن کی نظم (مثنوی معنوی) اپنے عہد کے جمود پر گواہ ہے۔

اسلام کے ثقافتی پہلو کے حوالے سے اسلام کے مفکروں کی شناخت ناگزیر ہے۔ غزالی کا تعلق اُسی گروہ سے ہے۔ اُن کی زندگی کا ۹۰۰ واں سال اسلام کی پندرھویں صدی ہجری کی احیائی تحریکوں اور احیائی افکار سے ہم آہنگ ہے۔

غزالی اس عہد کے آدمی ہیں جب معاشرہ شدید سیاسی، فکری اور اعتقادی بحران کا شکار تھا اور تاریخ و وحی کی باہمی جنگ جاری تھی۔ اسلامی مملکتوں میں یونانی فلسفہ در آنے سے دین کی بنیادیں متزلزل تھیں۔ اگرچہ ابونصر فارابی، بوعلی سینا اور مسکویہ وغیرہ کی منطق نے یونانی فلسفہ کے اثرات کا مقابلہ کیا تھا، لیکن

اسلام سیاسی نظام کی حیثیت سے بتدریج روبہ تحلیل تھا۔ ایسے میں غزالی پیدا ہوئے اور انھوں نے وہ تحریک برپا کی جس نے اعتقادی اور سیاسی نظام کے تزکیہ اور شرعی احیا کا کام انجام دیا۔ انھوں نے دین کو حکومت پر غالب کرنے کی کوشش کی۔ اس طرح انھوں نے اپنے زمانے میں ایک ایسی تحریک کی بنیاد ڈالی جس کا اصل مقصد یونانی فلسفے کا مقابلہ کرنا تھا۔

بہرحال اس شہرت اور ترقی کے عالم میں جب غزالی مدرسۂ نظامیہ بغداد کے سربراہ اور دربار سلجوق کے جلیس تھے تو اُن کی حالت میں ایسی تبدیلی واقع ہوئی کہ اُن کی شخصیت ہی بدل گئی۔ آسمانی جذبہ انھیں دنیاوی کثافتوں سے تجرد اور وارفتگی کی دنیا میں لے گیا۔ غزالی نے ایک لمبا عرصہ باطنی کش مکش میں گزارا۔ ایک طرف دنیاوی منصب انھیں بغداد میں مقیم رہنے اور مقام و مرتبہ برقرار رکھنے کے لیے اُکسا رہا تھا تو دوسری جانب عشق الٰہی نے اُن کے شوق و جذبے کی آگ کو تیز کر رکھا تھا۔ اسی کش مکش میں آخرکار عشق الٰہی نے اپنا کام دکھایا اور وہ دنیاوی مناصب پر غالب آ گیا۔ نوبت یہاں تک پہنچی کہ کل جو شخص عقلا اور متکلمین کا سربراہ تھا وہ آج عشق کے دیوانوں میں خاموش گرا پڑا تھا۔ کل کا شافعی المذھب آج کا وارستہ حال صوفی بن گیا اور کہہ اُٹھا:

عاشقان را شد مدرس حسن دوست
دفتر و درس و سبقشان روی اوست

غزالی کے سوانح حیات میں دو باتیں قابل توجہ اور تجزیے کی متقاضی ہیں۔ پہلی یہ کہ ایک شخص جو صاحب اختیار و عظمت ہے اور دنیاوی منصب (مدرسۂ نظامیہ کی سربراہی) پر فائز ہے، اچانک اپنی حالت کیوں بدل ڈالتا ہے۔ غزالی کے اس فیصلے اور باطنی تغیر و تبدل پر مختلف نقطہ ہائے نظر ہیں۔ ان میں سے ایک زاویۂ نظر یہ ہے کہ غزالی ملک شاہ سلجوقی اور خواجہ نظام الملک کی طرف سے مدرسۂ نظامیہ میں تدریس پر مامور ہوئے اور بحث، مناظرہ، نقل روایات اور اجتہاد پر کام کرنے لگے۔ ایک دن جب وہ پڑھا رہے تھے تو ان کے حلقۂ درس میں پانچ سو ایسے علما و طلبا ان کی تقریر قلم بند کر رہے تھے جو اپنے عہد کے علوم میں فاضل اور متبحر تھے۔ ان علما کو اپنے گرد جمع دیکھ کر غزالی میں نخوت و تکبر پیدا ہوا اور وہ اپنے آپ سے کہنے لگے ''یہ میں ہوں جس کے حلقۂ درس میں ایسے علما بیٹھے ہیں''۔ پھر غزالی مجلس سے اُٹھ کر گھر چلے گئے اور کچھ دیر تک سوچتے رہے اور اپنے افکار کا تجزیہ کرتے رہے۔ پھر خود سے کہنے لگے ''اے غزالی تو کئی برسوں سے دوسروں کو پڑھا رہا ہے لیکن اب بھی فساد، تباہی اور حقیر انسانی رذائل نے تیرے قلب و روح اور فکر کو اپنے آپ میں محو رکھا ہوا ہے۔ تو نے علم کے علاوہ انسانیت کا کوئی درجہ اور مرتبہ نہیں پایا، تو ابھی خود پر ہی قابو نہیں پا سکا، تو ابھی اپنے نفس کو وعظ و نصیحت نہیں کر سکا، تو ہنوز اپنے نفس امارہ کے سرکش اژدھے کو رام

نہیں کر پایا، تو کیسے دوسروں کو نصیحت کرسکتا ہے اور ان کا راہبر ہوسکتا ہے؟ اے غزالی ابھی قرآن اور سیرت النبی نے تیری روح کو جلا نہیں بخشی۔ بہتر ہے کہ پہلے اپنی فکر کر"۔ چنانچہ غزالی ایک صبح بغداد سے نکلے اور حجاز، شام، حلب اور مصر کے مختلف مقامات، مساجد اور دشت وبیاباں میں سیر وسیاحت اور ریاضت کرتے رہے۔ اس دس سال کی مجاہدت اور خلوت نے غزالی کو بدل دیا۔ اب نہ مناظرے اور مناقشے تھے، نہ شاہی دربار کے قرب کی خواہش۔ اب وہ سلاطین، امرا اور وزرا کو اپنی ذمہ داریاں یاد دلانے کے لیے خطوط لکھتے۔ اسی عالم میں ۵۰۵ ہجری میں ان کے وجود کی شمع بجھ گئی اور عمر کا سورج غروب ہوگیا۔ مگر اُن کے افکار نے انھیں ہمارے اور متلاشیانِ حق کے درمیان آج تک ہمیشہ زندہ رکھا ہوا ہے۔

غزالی کا دوسرا واقعہ امام اسعد میہنی نے نقل کیا ہے کہ جب غزالی جرجان سے واپس طوس جارہے تھے تو راستے میں ڈاکوؤں نے قافلہ لوٹ لیا۔ غزالی منت سماجت کرتے ہوئے ڈاکوؤں کے پیچھے ہولیے اور ان سے کہا "جو کچھ تم لوگوں نے لوٹا ہے وہ میں نے تمھیں بخش دیا مگر ایک تھیلا جس میں کچھ کاغذات ہیں وہ تمہارے کام کا نہیں ہے وہ مجھے واپس دے دو۔" جب غزالی نے اس تھیلے کی واپسی پر بہت اصرار کیا تو ڈاکوؤں کے سرغنہ نے پوچھا "اس تھیلے میں کیا رکھا ہے جو اس سے دل لگائے بیٹھے ہو"؟ غزالی نے جواب دیا "اس میں عمر بھر لکھنے پڑھنے کا حاصل رکھا ہے۔" ڈاکو نے کہا "کیا کہتے ہو؟ تم نے کیسا علم پڑھا کہ جب ہم نے تمہارے کاغذات چھین لیے تو تم بے علم رہ گئے۔ یہ کیسا علم ہے جو ڈاکو بھی تم سے چھین سکتے ہیں؟ ڈاکو کی یہ بات غزالی کے بہت کام آئی۔ غزالی کا کہنا ہے کہ اس کے بعد میری ہمیشہ یہی کوشش رہی کہ ہر شے کو اس طرح سیکھوں کہ کوئی مجھ سے چھین نہ سکے۔

فلسفۂ غزالی: غزالی نے افلاطون، ارسطو، ابن سینا، فارابی اور دیگر فلاسفہ کے فلسفیانہ افکار کا گہرا مطالعہ کیا اور مقاصد الفلاسفہ کے نام سے کتاب لکھی۔ بعد میں فلاسفہ کے افکار کی تردید میں تہافۃ الفلاسفہ تحریر کی۔ تین سال کے مطالعات کے بعد غزالی اس نتیجہ پر پہنچے کہ فلسفے کے راستے سے دنیا اور اشیا کی حقیقت اور زندگی کے مقصد تک رسائی نہیں ہوسکتی۔ بہتر یہی ہے کہ راستہ تبدیل کیا جائے اور کوئی دوسرا راستہ چنا جائے۔

غزالی اور تصوف: تصوف میں غزالی کے پہلے مربی احمد رادکانی تھے۔ نیز انھوں نے اپنے والد اور بھائی احمد غزالی سے بھی اکتساب کیا۔ احمد غزالی نے نوجوانی ہی میں عقائد اور انسانی نظریات کی پُر پیچ راہوں میں بھٹکنے سے پہلے تصوف کا راستہ اختیار کرلیا تھا لیکن محمد غزالی جوانی ہی میں فقہ واصول اور کلام و مناظرہ میں اُلجھ گئے اور چالیس سال تک اس راستہ پر گامزن رہے۔ آخرکار انھوں نے بھی تصوف کا راستہ اپنا لیا۔ تاہم غزالی کا تصوف دوسروں کے تصوف سے مختلف ہے۔ وہ اپنی کتاب روضۃ الطالبین کے باب

الثالث،فی بیان معنی السلوك و التصوف **میں لکھتے ہیں**:''اصول التصوف اکل الحلال والاقتداء برسول الله صلی اللّٰہ علیه وسلم فی أخلاقه و افعاله و أوامره و سنّته'' **یعنی تصوف کی بنیاد حلال کھانے اور آنحضرت ﷺ کے اخلاق وکردار اور اوامر وسنت کے اتباع پر ہے۔**

غزالی کی تصانیف: غزالی نے مختلف موضوعات پر متعدد کتابیں یادگار چھوڑی ہیں۔ استاد جلال ہمائی نے اپنی کتاب غزالی نامه **میں اس بارے میں جو تحقیق کی ہے اس میں سے دو سو سے زائد کتابیں اور رسائل غزالی سے منسوب کیے ہیں۔**زادِ آخرت،اقتصاد، کیمیائے سعادت،احیاء علوم الدین **(اُن کا پختہ عمر کا حاصل)**، المنقذ من الضلال، نصیحة الملوك، مقاصد الفلاسفه، تہافة الفلاسفه، ایہا الولد،اخلاق الانوار،الوجیز والوسیط **(فقہ) وغیرہ امام کی چند مشہور کتب ہیں۔ یہ کتب اسلامی تعلیمات کا قیمتی خزینہ ہیں۔ حقیقت اور دین کے متلاشیوں کے لیے اُن میں بہت حقائق پوشیدہ ہیں۔** المنقذ من الضلال **میں غزالی نے اپنی زندگی کے مراحل پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے اور عقائد وافکار کی صحت وسقم پر بحث کی ہے۔ حقیقت میں یہ ایک قسم کا نفسیاتی تجزیہ ہے۔ وہ فلسفہ اور دین کے مسائل میں اپنے شکوک و شبہات کا برملا اظہار کرتے ہیں۔ اس کتاب کو غزالی کے اعترافات کا مجموعہ کہا جاسکتا ہے۔ وہ اخلاقیات کے عظیم معلم ہیں اور اب بھی انھیں تعلیم وتربیت کے سر برآوردہ دانش وروں میں شمار کیا جاسکتا ہے۔**

❁......❁......❁